غلام عباس کا طبقاتی و نفسیاتی شعور

Dr.Mir Yousaf Mir

Assistant Professor, Department of Urdu University of Azad Jammu and Kashmir, Muzaffrabad

Mehtab Ahmed

Lecturer Department of Urdu University of Azad Jammu and Kashmir Muzaffarabad

Aqib Shazad

Lecturer urdu, Govet.Boys Inter College Therian, Azad Jammu and Kashmir Muzaffarabad

Abstract:

The current research paper sheds the light on the fictional literature for the contribution of Ghulam Abbas in this particular genre. He is one of the famous and prolific writers. The literary icon has many masterpieces in Urdu literature. The researcher explores the different dimensions of fictional literature of Ghulam Abbas's Vision/Witt of Social and psychological Strata in the domain of literature. The study is qualitative in nature. The findings are quite fascinating and worth reading. The scientific paper is concluded systematically.

Key words:

Contribution, genre, prolific, masterpieces, dimension, fictional, vision, Witt, Social, Psychological, Strata, domain, systematically.

غلام عباس اُردو کے افسانوی ادب کا منفرد نام ہے، جس کا افسانوی سرمایہ اُس کے اپنے عہد کی تاریخ ہے۔ غلام عباس نے اپنے عہد کی مروجہ ادبی تحریکوں اور سماجی و سیاسی حالات کا گہرا اثر قبول کیا۔ ان کے افسانوی ادب میں روسی انگریزی اور فرانسیسی ادب کی جھلک خاصے کی چیز ہے۔ غلام عباس کے عہد کا اردو افسانہ ترقی پسند تحریک اور غیر ملکی تصورات و نظریات کی بدولت نئے آہنگ سے آشنائی حاصل کر چکا تھا۔ انقلاب روس اور مارکس کے اشتراکی نظریات کا عکس اردو ادب کو منفرد پہچان عطا کر چکا تھا۔ دنیا کے سنجیدہ ادیبوں اور دانش وروں نے نئی صورت حال کو متنوع انداز سے اپنی تخلیقات میں سمونے کی بھرپور سعی کی۔ رومانوی رجحانات کے متوازی ترقی پسند تحریک کے نمایاں موضوعات میں سماجی مسائل کا اظہار بدلتے ادبی و سماجی رویوں کا اظہار تھا۔ سماج کے نچلے طبقات کی پستی اور بھوک و افلاس کی گم نامی میں سسکتی انسانی زندگی کی اذیت حقیقت نگاری کا روپ دھار کر ادبی تخلیقات کی رونق بنی۔ اس تحریک کی وساطت سے انسان کے داخلی احساسات کو خارجی کائنات اور سائنسی انداز فکر سے آشنائی کا شعور حاصل ہوا۔

اس تحریک سے سماج کے خارجی ڈھانچے میں تبدیلی آئی۔ بیرونی عوامل سے تشکیل پانے والے ادبی نظریات کو سماج میں انفرادی مقبولیت حاصل ہونا شروع ہوئی۔ ادب میں سماجی مساوات کے حصول کی خاطر شخصی آزادی، پیداواری منافع کی تقسیم اور نچلے طبقات کی بہتری کو اہمیت دی گئی۔ اس کے متوازی اردو افسانے میں سجاد حیدر یلدرم کی رومانویت نے افسانہ نگاروں کو جذبات اور تخیل کے اظہار کی راہ دکھائی۔ غلام عباس کے افسانوی ارتقا میں ابتدائی ممیز کا کام غیر ملکی تراجم نے کیا۔ ان ابتدائی تراجم کی بدولت نہ صرف ان کی محدود آمدنی ممکن ہوئی بل کہ ان کا ادبی شعور بھی پختگی کی منازل طے کرنے میں کامیاب ہوا۔ انھی تراجم کے وسیلے سے ان کی شناسائی زیادہ تر حقیقت نگاروں سے ہوئی جس نے طبع زاد افسانوں کی تخلیق میں رومانوی اثرات پر ایک روک لگا کر حقیقت نگاری کی راہ ہموار کی۔ انھی اثرات کے زیر اثر انھوں نے اپنے گرد و پیش رونما ہونے والے واقعات اور زندگی کے مشاہدات کو پورے خلوص سے منظر عام پر لایا۔ ان کے افسانوی شاہکار اور فن و داب کے نادر نمونے زندگی کے گہرے حقائق اور مشاہدات کا عکس ہیں۔

> ''غلام عباس نے افسانہ نگاری اس وقت شروع کی جب اردو افسانہ روسی، انگریزی اور فرانسیسی افسانوں کے تراجم اور ترقی پسند ادبی تحریک کے زیر اثر کافی ترقی کر چکا تھا۔ پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم جیسے افسانہ نگار پیدا ہو چکے تھے اور دو بڑے افسانہ نگاروں کی پیروی میں اصلاح پسند اور رومانی افسانہ نگاروں کی کھیپ کی کھیپ تیار ہو چکی تھی، لیکن 1936ء اور 1937ء کے دوران رومانیت کا رد عمل ظاہر ہونا شروع ہو چکا تھا اور اسی کی جگہ حقیقت نگاری نے لینی شروع کر دی تھی۔''[۱]

غلام عباس کی انفرادیت ان کا طبقاتی اور نفسیاتی شعور ہے۔ وہ طبقاتی اور نفسیاتی شعور کی تہوں میں سماج کی طبقاتی بنت، دولت کی غیر مساوی تقسیم، سماج قانون اور ماحول کی جبریت کو نمایاں مقام دیتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں طبقات کا شعوری وجود موجود ہے۔ وہ افسانوں میں سماج کے اعلیٰ، متوسط، نچلے متوسط اور نچلے طبقات کی نمائندگی پوری آب و تاب اور فنی چابک دستی سے ایک انفرادی پہچان قائم کر کے سامنے لاتے ہیں۔ اعلیٰ طبقے کے افسانوں میں ''مجسمہ، نواب صاحب کا بنگلہ، بندر والا، یہ پری چہرہ لوگ اور سایہ'' جب کہ متوسط اور نچلے طبقات کی نمائندگی میں ''کتبہ، کن رس، سیاہ سفید، بامبے والا، اندھیرے میں، سمجھوتہ، سرخ جلوس مکر جی بابو کی ڈائری، پتلی بائی اور بحران'' شامل ہیں۔ سماج کے نچلے طبقات کا وجود ''چکر، اندھیرے میں، اوورکوٹ، فینسی ہیئر کٹنگ سیلون، تنکے کا سہارا، غازی مرد، اوتار اور جوار بھاٹہ'' میں موجود ہے۔ ان کی طوائف بھی سماج کے بے بس اور کم زور طبقے کا استعارہ ہے۔ اس طبقے کو ''آنندی، ناک کاٹنے والے، اس کی بیوی، بھنور، بردہ فروش اور کن رس'' میں سامنے لایا گیا ہے۔

> ''ترقی پسند تحریک کے زمانہ عروج میں طوائف اور محنت کش طبقہ اردو افسانے کے مقبولِ عام موضوعات تھے۔ غلام عباس نے بھی ان موضوعات پر افسانے لکھے، لیکن

دوسرے تماما فسانہ نگاروں سے ہٹ کر اور قطعی منفرد انداز میں، غلام عباس کا افسانہ
آنندی 1936ء میں شائع ہوا، وہ ترقی پسند تحریک کے عروج کا زمانہ تھا۔"۲

غلام عباس نے افسانوں میں طبقات کے ظہور کو سماجی ارتقا کے تناظر میں پیش کیا۔انھوں نے طبقاتی بنت میں خارجی حاکمیت، جبر واستحصال، ذاتی املاک کی ہوس، دولت کی غیر مساوی تقسیم، معاشی ناہمواری اور وسائل کی پیداوار پر مقتدر افراد کا قبضہ، اشتراکی روایات کے فقدان اور کامل آزادی کی رکاوٹ کو خصوصی اہمیت دی۔ان کے افسانوں کی طبقاتی تشکیل میں دولت اور معاش کو کلیدی مقام حاصل ہے۔طبقات کی سماجی نمو میں اقتصادی استحصال کی بالائی جبریت سے دولت کے فرق کو بحال اور قائم رکھنے کے اشارے غلام عباس کے طبقاتی شعور کو انفرادیت بخشتے ہیں۔ان کی افسانوی انفرادیت طبقاتی شعور کی پختگی کے ساتھ ساتھ افسانوی کرداروں کی طبقاتی نفسیات کا تعین کرنے میں مضمر ہے۔انھوں نے کرداروں پر معروضی جبریت کی بدولت رونما ہونے والی داخلی شکست وریخت کو کمال ہنر مندی سے پیش کیا۔ان کے ہاں معاش، جنس، جبلت انسانی اور ماحول کی قوت، خارجی حاکمیت بن کر باطنی الجھاؤ کی محرک بنتی ہے۔ان کے ہاں کرداروں کی خارجی زندگی کا مطالعہ محض داخلی پہلوؤں کی نقاب کشائی کے لیے جزئیات نگاری کے رنگ میں ڈھلتا ہے۔وہ ظاہری پرت سازی کو فنکارانہ مہارت سے تہہ بہ تہہ کھول کر باطنی الجھنوں کا کھوج لگاتے ہیں۔زندگی کا گہرا مشاہدہ ان کو انسانی وجود پر ظاہر ہونے والے تغیرات اور فرد کے اندرونِ ذات پوشیدہ معانی کی دریافت کے قابل بناتا ہے۔ان کے طبقاتی و نفسیاتی شعور داخلی اور خارجی اظہارات کا توازن تلخ سماجی حقائق میں وقوع پذیر ہونے والے باطنی ہلچل کا غماز ہے۔بقول شمیم احمد:

"غلام عباس انفرادی اور اجتماعی صداقتوں کو اس کے نفسیاتی تانے بانے کے ساتھ
جسطرح پیش کرتے ہیں اس میں ان کی سماجی بصیرت اور زندگی کے بنیادی شعور کا
عملاً نھیں تمام افسانہ نگاروں سے الگ رکھتا ہے جو نفسیات کے مطالعہ کی بنیاد پر کہانیاں
لکھتے ہیں۔"۳

غلام عباس نے سماج میں موجود نچلے، متوسط اور اعلیٰ طبقات کی خاص نفسیات کو بیان کیا ہے۔ان کو طبقاتی مطالعہ صرف سماجی شعور اور طبقاتی تشکیل کے اظہار تک ہی محدود نہیں بل کہ وہ نفسیاتی الجھنوں کی گہری پوشیدہ تہوں کے متلاشی ہیں۔ان کے ہاں سماج کا متوسط طبقہ اپنی مخصوص طبقاتی نفسیات کا آئینہ دار ہے۔ان کے افسانوں میں موجود متوسط طبقہ مغربی طرز کی چمک سے متاثر نظر آتا ہے۔یہ طبقہ ملازمت پیشہ ہونے کے باعث محدود معاشی آزادی اور ناکافی وسائل حیات میں الجھا رہتا ہے۔اس معاشی الجھن کی بدولت لاشعوری طور پر یہ طبقہ گریز، احساس کم تری، فرار، اکتاہٹ، بے چینی اور بیگانگی جیسے داخلی مسائل کی گرفت میں رہتا ہے۔اس طبقے کے اندر اپنے ان گنت مصائب پر قابو پانے کی جستجو رہتی ہے۔جو اسے ایک الگ سماجی شناخت کے لیے اکساتی ہے۔اس کوشش میں ناکامی اور طبقاتی سماج کی جکڑ بندیاں متوسط طبقے کو کام سے اکتاہٹ کی طرف راغب کرتی ہیں۔یہ طبقہ سماج کے بالا دست طبقات میں شمولیت کا خواہش مند ہوتا ہے۔اس کی سماجی بے چینی اسے سماجی حیثیت میں

اونچے مرتبے پر متعین طبقات کی بھونڈی نقالی کی طرف دھکیلتی ہے۔اسی نفسیات کا اظہار ان کے افسانے ''باجے والا'' میں ہوتا ہے جہاں کی پوری گلستان کالونی اعلیٰ طبقے کی نقالی میں مگن ہے۔

''اس کالونی کے باشندے متمدن سمجھے جانے کے بہت متمنی تھے۔ تنگی ترشی میں گزر کرتے، مگر ظاہری ٹھاٹھ میں فرق نہ آنے دیتے۔ہر گھر میں صبح کو پابندی کے ساتھ ڈبل روٹی اور اخبار آتا، اخبار کا صاحب خانہ بے چینی سے منتظر رہتا۔''۴

سماج کا متوسط طبقہ اپنی جڑیں نچلے طبقات میں گہری رکھتا ہے کیونکہ وہ نچلے اور اعلیٰ طبقے کے مابین ایک پنڈولم حرکت کرتا ہے۔وہ ظاہری چمک اور کھوکھلی سماجی حیثیت سے نچلے طبقے کو مغلوب کرتا ہے۔اس ساری نقالی میں ایک طبقاتی برتری کا احساس موجود ہوتا ہے۔اس طبقے کا وجود چوں کہ خود ساختہ اصولوں کی لرزتی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے جہاں ایک لمحہ کی حماقت اصلی انسانی رشتوں سے عاری سماجی اخلاقیات کے کمزور محلوں کو پل بھر میں زمیں بوس کر دیتی ہے۔یہ طبقہ سماجی سمجھوتے بازی کی نفسیات کو مضبوطی سے تھامے رکھتا ہے جہاں سے مراجعت کی راہ کھولی رہتی ہے۔ گلستان کالونی کی روشن خیالی یک لخت دو نوجوان لڑکیوں کے فرار پر سمٹ جاتی ہے۔

''جس دن یہ واقعہ پیش آیا کالونی میں تہلکہ سا مچ گیا۔کالونی والوں کے چہرے اتر سے گئے جیسے کوئی موت واقع ہو گئی ہو۔ریڈیو پر فلمی گانے بند کر دیے گئے اور ایک سوگ کا سماں بندھ گیا۔کالونی کے ایک کالیستھ کی بیٹی ایک ستاریئے سے ستار سیکھ رہی تھی۔کالیستھ نے اسی دن اسے برطرف کر دیا۔''۵

اس طرح کی متوسط طبقاتی نفسیات ان کے دیگر افسانوں ''بھنور'' کے حاجی شفاعت احمد، ''کن رس'' کے فیاض کے شوق موسیقی، ''جواری'' کے سرکاری اکاؤنٹنٹ کی قمار بازی، ''اندھیرے میں'' کے نوجوان اور ''سمجھوتہ'' کے شوہر کے امیرانہ شوق پالنے میں موجود ہے۔غلام عباس کے افسانوں کا متوسط طبقہ اپنی طبقاتی نفسیات کی بدولت خاص افکار، تصورات، رویوں اور رجحانات کا حامل ہے۔اس کی اقتصادی محرومیاں، جنسی گھٹن، طبقاتی عدم مساوات اور سماجی جبریت خارج سے ان کے باطن پر اثر انداز ہو کر مخصوص پہچان مہیا کرتی ہے۔اسا نفرادی پہچان میں خود فریبی، قناعت کا فقدان، اعلیٰ طبقات کے شوق اور شمولیت کی خواہش، سمجھوتے بازی، حماقت اور اختیاری رشتوں کا الجھاؤ نمایاں ہے۔اس نفسیات کا اظہار غلام عباس کے ہاں اس طبقے کے رہن سہن، لباس، معمولات، روابط، مشاغل اور خیالات سے ہوتا ہے۔

غلام عباس نے اپنے افسانوی کرداروں کی مدد سے متوسط طبقے کے علاوہ سماج کے اعلیٰ اور مقتدر طبقات کی استحصالی نفسیات کو بھی بیان کیا ہے۔یہ طبقہ قدیم معاشرتی روایات کا سخت پابند ہے۔سماج کے نچلے طبقات کا استحصال اس طبقے کا خاصا ہے۔اعلیٰ طبقات کی برتری قائم کرنے والے عوامل میں اعلیٰ نسبی، خاندانی جاہ حشمت اور وجاہت کی بقا کلیدی مقام رکھتے ہیں۔سماج کے نچلے طبقات میں اپنی برتری قائم رکھنے کی خاطر اعلیٰ طبقہ ان سے کاروباری انداز کے مراسم رکھتا ہے۔''نواب

صاحب کا بنگلہ ''میں صمام الدولہ اپنی خاندانی روایات کو سینے سے لگائے، جدید عہد کے تقاضوں سے بے خبر، ایک فریب میں مبتلا زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہ سماج میں وقار کے ملبے تلے مدفون کھوکھلی شناخت کی گہری خواہش رکھتے ہیں۔ وہ اپنے ویران بنگلے کی چار دیواری میں خاندانی وقار سینے سے لگائے ہوئے شجرہ نسب کو زینت بنائے ایسی گمنام دنیا کے مکین ہیں جہاں ان کا حسب نسب ان کو دیگر طبقات سے الگ رہنے کی راہ دکھاتا ہے۔ بدلتے عہد کے تقاضوں میں خود کو پرانی روایات سے وابستہ رہنا اس طبقے کا وصف ہے۔ چوری کے دوران گھر میں داخل ہونے والا چور ان کی اس فطرت کو بنگلے کے اندرونی نقشے کے طور یوں بیان کرتا ہے۔

> ''وہ یوں نواب صاحب! بے تکلفی معاف کہ یہ بنگلہ سراسر ایک فریب ہے، ایک دھوکا ہے۔ اس بنگلے میں کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں جو چرانے کے قابل ہو۔ ذرا اس ڈرائنگ روم پر نظر ڈالیے۔ یہ دقیانوسی صوفہ سیٹ، یہ پرانا قالین، جس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں، یہ پرانی گول میز، یہ بے ڈھنگی تپائیاں جن کا روغن اتر چکا ہے، دیوا نپر یہ میلا سا پلنگ بچھا ہے، یہ پرانے مخملی گاؤ تکیے، یہ بوسیدہ پردے۔''٦

بالادست طبقے کی استحصالی طبقاتی نفسیات سماج کے زیر دست طبقات میں اصلیت اور اندر کی شکستہ حالی کا راز کھلنے پر ایک خوف میں مبتلا ہو جاتی ہے، جہاں سمجھوتے کی نفسیات کی قوت اپنا اثر دکھاتی ہے۔ افسانہ ''سایہ'' کے وکیل صاحب کے گرد بھی امارت کا مضبوط ہالہ روایات کی جکڑ بندیوں کا عکس ہے۔ ان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ اولاد بھی اپنی خواہشات کے سامنے بے بس ہیں۔ ان کی بڑی بیٹی نچلے طبقہ سے تعلق رکھنے والے ریاض سے محبت کا اظہار کرنے سے نہ صرف قاصر ہے بل کہ اس وہ سرسام جیسی مرض کا شکار ہو جاتی ہے۔ ''یہ پری چہرہ لوگ'' کے کردار بھی طبقاتی سماج میں روایات کی لاشعوری گرفت کا شکار ہیں۔ بیگم تراب علی اعلیٰ طبقے کا نمائندہ کردار ہے۔ ان کے اندر غرور، تکبر، اعلیٰ شان و شوکت کی ظاہری چمک، استحصالی سوچ، نچلے طبقات پر اپنا رعب بحال رکھنے کی کوشش اور مالی استحکام کا دبدبہ بالادست طبقات کی طبقاتی نفسیات کی جھلک ہے۔ سماج کا اعلیٰ طبقہ اپنی عیاشی کا سامان سماج میں طوائفوں کے وجود سے حاصل کرتا ہے۔ اس طبقے کے اندر وہ بنیادی طور پر مشرقی روایات کے زیر اثر ایک جاگیردارانہ سوچ رکھتی ہیں۔ ان کی شخصیت میں اک نوابی سوچ ہر لمحہ بیدار رہتی ہے۔ اپنے بنگلے کے آنگن میں ٹہلتے ہوئے وہ یک مہترانی سگو اور اس کی بیٹی کے مابین ہونے والی بے تکلف بات چیت سن لیتی ہیں۔ اس دوران ان کی استحصالی نفسیات سماج کے نچلے طبقات میں اپنا گرتا ہوا مقام دیکھ کر تشدد کی راہ اپناتی ہے۔ وہ ایک لمحے کے لیے اپنے ہم پلہ طبقے کی بیگمات کے بگڑے ہوئے نام سن کر ایک سکون اور برتری کی کیفیت سے دوچار ہوتی ہیں۔ ان کے اندر نرگسیت کا احساس ان کو دلی راحت کی طرف لاتا ہے۔ وہ ہم مرتبہ سماجی معیار سے گرنے والی بیگمات کے بگڑے نام سن کر اگرپل بھر ذاتی فتح کا جشن مناتی ہیں تو اگلے ہی لمحہ ان کو اپنا وقار بھی گرتا ہوا محسوس ہوتا ہے جہاں طبقے کے مجموعی مفاد کی خاص نفسیات ان پر غالب آجاتی ہے۔ ان کے بدلتے باطن کے ظاہری اثرات کا اظہار غلام عباس یوں بیان کرتے ہیں۔

''بیگم صاحب بے اختیار مسکرا دیں، ان کا غصہ اب اتر چکا تھا اور سگو کی باتوں کو بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی کہ اچانک ایک اور بات ان کے ذہن میں آئی اور ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ ماتھے پر بل پڑ گے، ڈانٹ کر بولیں، کیوں مردار تو نے میرا بھی تو کوئی نہ کوئی نام ضرور رکھا ہو گا۔ بتا کیا نام رکھا ہے؟ سچ سچ بتا ئیو نہیں تو مارتے مارتے بھر کس نکال دوں گی۔''۷

مہترانی سگو سے بیگم صاحب کا انداز تکلم اور تشدد کی دھمکی بالادست طبقات کی مخصوص نفسیات ہے جو غلام عباس کی فکشن میں اپنا اثر دکھاتی ہے۔ یہ سوچ اس طبقے کو استحصال پر اکساتی ہے جو سماجی عدم مساوات کا روپ دھار کر طبقاتی کشمکش کو سماج کو فروغ دیتی ہے۔ سماج کے نچلے طبقات اعلی طبقات کی خدمت گزاری سے اپنا پیٹ پالتے ہیں جہاں ان کی ناکافی سہولیات اور زندگی کا اجیر پن ان کے اندر مزید مایوسی کو فروغ دیتی ہے۔ افسانہ ''چکر'' میں سیٹھ اپنے ملازم سے کام میں کو رعایت برتنے سے قاصر ہے اور پوری شدت سے محنت کا خواہش مند ہے۔ بالادست طبقات کی استحصالی اور جابرانہ سوچ شکار ''کتبہ'' کا شریف حسین، اور ''بحران'' کا پروفیسر سہیل بھی ہیں۔ یہ دونوں کردار معاشرے میں صاحب جائیداد اور باعزت مقام کے متلاشی ہیں جہاں بالادست طبقات کی ہلاکت خیزیاں ان کو شکست خوردہ کر دیتی ہیں۔

غلام عباس اپنے اپنے افسانوی کرداروں میں سماج کے اعلیٰ طبقے کے اندرون ذات خالی اور اکتاہٹ سے بھری کیفیت کو سامنے لاتے ہیں۔ اس الجھاؤ میں زندگی کی یکسانیت کو وہ ایک طاقت ور محرک کے طور پر متعارف کرواتے ہیں۔ یہ طبقہ انسانی ہم دردی سے عاری ہوتا ہے جس کی تہہ میں انسانی زندگی کے دکھ، محرومیوں اور اقتصادی بدحالی کی عدم موجودگی ہوتی ہے۔ سماج کے بالادست طبقات غلام عباس کے ہاں ہر طرح کی انسانی سہولیات سے مزین زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس طبقے کے اندر ایک خاص طرح کی جنسی اکتاہٹ موجود ہوتی ہے، جو سماج میں طوائفوں کے وجود کو زندہ رکھے ہوتی ہے۔ افسانہ ''بردہ فروش'' میں ریشماں کی خرید و فروخت اور چودھری گلاب دین کے علاوہ لمبر دار سے اس کا سودا اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ اس کے علاوہ ''آنندی'' میں طوائفوں کی شہر بدری اور پھر نئی بستی کی رونقیں سماج کے اعلیٰ طبقات کے وجود سے ہی قائم ہیں۔ اسی قبیل کا ایک افسانہ ''حمام میں'' بھی خاص نفسیات اور بالادست طبقات کی سوچ کا عکاس ہے۔ اس افسانے میں اعلیٰ طبقے کا ایک فرد جب فرخندہ کی محفل میں داخل ہوتا ہے تو اس کو فیصل جعفری یوں بیان کرتے ہیں:

''سرخ بانات کی واسکٹ، سیاہ قیمتی شیروانی، طلائی گھڑی، چوڑی دار پاجامہ، اور مخملی ٹوپی وغیرہ اس کی امارت کی ظاہری اور واضح نشانیاں تھیں، مولانا نے اہل محفل سے نووارد کا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ میر نوازش علی خان ان کے ہم وطن اور خاندانی رئیس ہیں۔ کسی مقدمے کے سلسلے میں گاؤں سے شہر آئے ہوئے تھے اچانک ان سے ملاقات ہو گی اور وہ انہیں یہاں لے آئے۔''۸

اس طرح کی خاص طبقاتی نفسیات جو سماج میں مقتدر طبقات کا خاصا ہے، غلام عباس کی افسانہ نگاری میں فنی گہرائی سے موجود ہے۔ غلام عباس کا نچلا طبقہ طبقاتی تشدد کے زیر اثر نفسیاتی مسائل کا شکار ہے۔ نفسیاتی الجھنیں نچلے طبقے کے رجحانات اور رویے تشکیل کرتی ہیں۔ طبقاتی تشدد کے عوامل میں طبقاتی تقسیم، جبر و استحصال، دولت کی غیر مساوی بانٹ، پیداواری وسائل پر مقتدر افراد کا قبضہ، ذاتی املاک کے تحفظات کے سماجی قوانین، جنسی گھٹن، ناآسودگی، طبقہ امرا کی ہوس اور سماجی اونچ نیچ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ طبقاتی تشدد کے یہی عناصر نچلے طبقات میں مخصوص طبقاتی نفسیات کو مرتب کرتے ہیں۔ غلام عباس نے پسماندہ طبقات کے خارجی عوامل کو معاش، جنس و معاش اور سماجی جبریت کی تکون میں بیان کرنے کا منفرد انداز اپنایا ہے۔ نچلا طبقہ معاش کی بدولت پیدا ہونے والی شکست و ریخت کا شکار نظر آتا ہے۔ ان افسانوں میں ''چکر''، ''آنندی''، ''اوور کوٹ''، ''فینسی ہیر کٹنگ سیلون'' اور ''تماشا'' میں بیان کیا ہے۔ جنس کی بدولت طبقاتی نفسیات کا اظہار، اس کی بیوی، بھنور اور جنس و معاش کے ضمن میں بردہ فروش، تنکے کا سہارا، ناک کاٹنے والے، کا ذکر توجہ طلب ہے۔ چکر، معاش کی نفسیاتی الجھن کے گرد گھومنے والا لاجواب افسانہ ہے۔ اس میں دولت کی غیر مساوی تقسیم کے طبقاتی نفسیات پر مرتب ہونے والے اثرات کی جھلک موجود ہے۔

سیٹھ چھنامل سرمایہ دار طبقے کی علامت ہے جس پر اپنے کاروبار کی وسعت اور زیادہ دولت کی ہوس سوار ہے۔ اس کے لیے اپنے ملازم چیلا رام کی زندگی، صحت مشکلات، احساس و جذبات، موسم سفری تھکن اور خاندانی بیماری بے معنی ہے۔ وہ استحصالی نفسیات کا نمائندہ ہے۔ اس کے لیے مال گودام، بینک میں رقمی منتقلی، رجسٹریاں، ذاتی نسخہ جات اور اشیا کی فراہمی زیادہ معانی رکھتی ہے۔ چیلا رام کی زندگی ایک مسلسل تھکا دینے والے بے معنی سفر ہے جہاں زندگی کا پھیکا پن، اکتاہٹ اور بے یقینی خاص طبقاتی نفسیات کے طور پر سامنے آتی ہے۔ اس کو اپنی زندگی سے بہتر ہمسائے کے گھوڑے کا جیون محسوس ہوتا ہے۔

> ''چکر، سیٹھ چھینامل کے منیم چیلارام کی ایک لاحاصل بھاگ دوڑ اور بے ثمر محنت کی کہانی ہے جس کے آخر میں وہ اپنے ہمسائے کوچوان کو اپنے گھوڑے کی ٹہل کرتے دیکھ کر افسردہ ہو جاتا ہے اور سوچنے لگتا ہے، کیا وہ آواگون کے مسئلے پر غور کر رہا تھا؟ کیا وہ یہ چاہ رہا تھا کہ اب کے جب وہ مر جائے گا تو اس کا جنم گھوڑے کی جون میں ہو۔''[9]

زندگی کی معاشی الجھن چیلا رام کے اندر ایک ترش اور انداز پیدا کر دیتی ہے۔ اس کا چڑچڑاپن زندگی سے نفرت کی لاشعوری صورت سے شعور کی طرف سفر کرتا ہے۔ وہ اپنی بیوی اور بیٹی کے لیے ایک ان جان، نیم مردہ جذبات سے خالی حرکت کرتا جسم ہے جو محض روٹی اور سانس کے اشاروں سے زندہ محسوس ہوتا ہے۔ اسی لیے جب وہ کام سے تھکا ہارا گھر کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو اس کی معصوم بچی جو غربت اور سسکتی گم نام زندگی کی تصویر ہے اس کی ٹانگوں سے لپٹ جاتی ہے مگر چیلا رام اسے درشتی سے پرے ہٹا دیتا ہے۔ سماجی اور خاندانی رشتوں سے اکتاہٹ اور لاتعلقی نچلے طبقے کی وہ طبقاتی نفسیات ہے جہاں روزی روٹی کی تگ و دو انسانی اجسام کو بے حس بنا دیتی ہے۔ غریب طبقات کی یہ محرومیاں غلام عباس کے فن میں ان طبقات کے اندر سماجی

گھٹن کی راہ ہموار کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔اس نفسیات کا عکس ان طبقات میں لذت پرستی کو ایک مستقل رویے کی طور سامنے لاتا ہے۔

اس طبقے کے اکثر افراد عمر بھر عورت کا حقیقی سامنا کرنے میں ایک عجیب سا خوف محسوس کرتے ہیں۔افسانہ ''اوور کوٹ''کا نوجوان اوور کوٹ کی بدولت اپنی غربت اور ناداری کو ضرور ڈھانپ لیتا ہے لیکن جنسی ناآسودگی نوجوان جوڑے کی گفتگو میں اس قدر محو کر دیتی ہے کہ نوجوان چھکڑے کی نیچے آکر زندگی کی بازی گنوا دیتا ہے۔غلام عباس کا افسانہ ''فینسی ہیر کٹنگ سیلون''ان کے اشتراکی نظریات کا غماز ہے۔

''سانجھا ایک کنبہ کی مانند ہوتا ہے جس میں کمانے والے فرد اپنی اپنی بساط کے مطابقکنبے کی پرورش کرتے ہیں۔کم وبیش کمانے والے یا نہ کمانے والوں میں کسی قسمکی تفریق نہیں کی جاتی اور یہ استاد کی حد درجہ کم ظرفی ہے کہ وہ زیادہ ہنر منداور کم ہنر مند کا سوال اٹھا کر ساجھے میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہے۔''۱۰

دکان کو چار حجام اپنی مشترکہ ملکیت سمجھ کر پوری محنت ایمان داری اور لگن سے اشتراکیت کی بنیاد پر چلاتے ہیں۔وہ اپنی دکان پر ایک منشی کو انسانی ہمدردی سے نہ صرف دکان پر جگہ اور روٹی مہیا کرتے ہیں بل کہ کمائی سے کچھ حصہ بھی دیتے ہیں۔نچلے طبقے کے چار حجام غربت،ناداری،تنگ دستی اور خاندانی کفالت کے دباؤ کی بدولت رفتہ رفتہ اجتماعیت طرف بڑھتے ہیں۔ان کے اندر آہستہ آہستہ کاروباری مندی نفرت اور عدم احساس کو فروغ دیتی ہے۔اس احساس کو منشی بھانپ کر ان کو سانجھے سے الگ کر دیتا ہے۔منشی کی یہ استحصالی فطرت اس کے اندر سماج کے اعلیٰ طبقات کی قربت سے ابھرتی ہے جب کہ نچلے طبقے کی طبقاتی نفسیات میں احساس محرومی،بدگمانی اور نفرت کی تہوں میں معاشی الجھنوں کا عکس ہے اور یہی غلام عباس کے فن کی انفرادیت ہے کہ وہ معروضی عوامل کی جبریت کو طبقات کی نفسیات میں تلاش کرتے ہیں۔سماج میں جرائم کے پھیلاؤ کو بھی غلام عباس داخلی پہلوؤں میں تلاش کرتے ہیں۔دو تماشے کا ایک چپراسی ادنی درجہ کا ایک ملازم ہے۔وہ ایک بینک میں اپنی ملازمت کے دوران دولت کی چمک اور اعلیٰ زندگی کی تمام آسائشوں کا حقیقی مشاہدہ کرتا ہے۔اس کی اپنیزندگی کے معاشی مسائل اس کو اندر سے بے چین کیے رکھتے ہیں۔اسی کشمکش میں وہ ایک مختصر راستے کا انتخاب کرتا ہے۔اپنے مقصد میں ناکامی اس کے پورے خاندان کو مزید گمنامی میں دھکیل دیتی ہے۔

''بینک کے ایک چپراسی کو اس الزام میں کہ اس نے بینک لوٹنے میں چوروں کی مدد کی،پانچ سال کی سزا ہو جاتی ہے۔اس چپراسی کی بیوی مر جاتی ہے مگر اس کا ایک چار سالہ بیٹا جو اپنی بوڑھی دادی کے پاس رہتا ہے،،چپراسیکے قید ہونے ہو جانے پر دادی پوتا بھوکوں مرنے لگتے ہیں۔ادھر کوٹھریا کرایہ نہ ملنے پر مالک مکان انھیں گھر سے نکال دیتا ہے۔بڑھیا پوتے کا ہاتھ پکڑ بازار میں بھیک مانگنے لگتی ہے۔''۱۱

غلام عباس معاشرے کے غریب اور زیر دست طبقات کی طبقاتی نفسیات میں سماجی جرائم کی موجودگی کو اقتصادی الجھنوں کی لاشعوری گہرائیوں میں کھوجتے ہیں۔''بردہ فروش'' کا موضوع انسانی تجارت اور عورت کی سماجی حیثیت کے گرد گھومتا ہے۔افسانے میں نچلے طبقے کے اندر سماجی گراوٹ، پست معیار زندگی، ناکافی سہولیات، معاشی جبریت اور سسکتی زندگی کو اندرونی شکست وریخت کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ریشماں کو پانچ برس کی عمر میں گاؤں سے اغوا کر کے فروخت کر دیا جاتا ہے۔اس کی باقی ماندہ زندگی اپنی مرضی کے برعکس دوسروں کی خواہشات سے بندھی رہتی ہے۔اس کو مائی جمی دوسری شادی کے خواہش مند بوڑھوں کو زیورات اور دولت کے عوض فروخت کرتی رہتی ہے۔جرائم کی یہ نفسیات معاشی جبریت کی بدولت وقوع پذیر ہوتی ہے۔''تنکے کا سہارا'' میں نچلے طبقات کی طبقاتی نفسیات کی جڑیں جنس و معاش میں تلاش کی جاسکتی ہیں۔بیوہ سیدانی اقتصادی پریشانیوں کے سامنے بے بس ہو کر اہل محلہ کی امداد پر سمجھوتہ کر لیتی ہیں۔ان کے اندر کی مایوسی، اکیلا پن اور فرار کی ملی جلی کیفیات امام مسجد سے عقد ثانی کو آسان بناتی ہیں۔عقد ثانی کی تہہ میں ہلکی جنسی ناآسودگی سے طاقت و راحساس تحفظ کی تلاش ہے۔''غازی مرد'' کی اندھی چراغ بیبی اور گاؤں کا ایک جذباتی نوجوان علیا ایک چھت تلے ناآسودہ شب و روز بسر کر رہے ہیں۔چراغ بی بی کا جسمانی نقص علیا کو گھر میں بے چین رکھتا ہے۔سماج کے محنت کش طبقات دن بھر کی مشقت اور تھکن سے گھر کی آسودہ فضا میں راحت کے متلاشی ہوتے ہیں۔علیا دن بھر اپنے کھیتوں میں پوری محنت سے زمین کو سونا بناتا ہے لیکن گھر کی ناآسودگی ایک احساس کم تری کو ہوا دیتی ہے جو مستقل الجھن کا روپ دھار لیتی ہے، دونوں کی شادی بھی انسانی ترس اور احساس ورحم کے تحت وقوع پذیر ہوئی تھی۔یہی انسانی رحم ان طبقات کا خاصا ہے، جو گزرتے وقت کے ساتھ نفسیاتی الجھن بن جاتا ہے۔گاؤں کا امام مسجد جب اپنی موت کے قریب اپنی اندھی بیٹی کی شادی کے لیے سب گاؤں کو بلاتا ہے، تو اس کا بیان غلام عباس یوں کرتے ہیں:

> ''کچھ دیر خاموشی رہی۔آخر ایک نوجوان کی غیرت جوش میں آئی، وہ تھا تو غریب زمیندار کا بیٹا، مگر اپنے منچلے پن کی وجہ سے ہر کام میں سب نوجوانوں سے آگے رہتا تھا، اس نے آگے بڑھ کر اس کار خیر کے لیے خود کو پیش کیا۔''۱۲

غلام عباس کی ایک خاص پہچان سماج میں طوائفوں کی طبقاتی نفسیات کا اظہار بھی ہے۔ان کے افسانوں میں اس طبقے کا تعلق بھی سماج کے زیر دست طبقات سے ہے۔اس کاروبار میں مردانہ سماج کی جنسی ہوس اور پستے طبقات کی مجبوریوں سے اپنی عیاشی کا سامان پیدا کرنا ہے۔طوائف کے اندر خواہشِ تحفظ، گھریلو زندگی کی طلب، ممتا اور آشیانہ سازی، رقابت اور خوشامد پسندی جیسے محرکات کی بدولت خوف، احساس کمتری، بدگمانی، جذباتیت اور سمجھوتہ بازی کی طبقاتی نفسیات پروان چڑھتی ہے۔غلام عباس کا منفرد طبقاتی اور نفسیاتی شعور ان کے فکشن کا ایسا گوشہ ہے جو ان کی فنی قدر و قیمت کو نئے انداز سے متعین کرتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ شہزاد منظر، غلام عباس کے 10 بہترین افسانے، تخلیقات، لاہور، ص۵

۲۔ ایضا، ص۶

۳۔ شمیم احمد، غلام عباس: فکر و فن، نقش گر، ص۵۶

۴۔ طاہر منصور، غلام عباس کے بے مثال افسانے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ص۸۶۲

۵۔ ایضا، ص۸۲۲

۶۔ ایم خالد فیاض، غلام عباس فکر و فن، ص۳۲۳

۷۔ طاہر منصور، غلام عباس کے بہترین افسانے، ص۳۲۳

۸۔ فیصل جعفری، مضمون، غلام عباس کا افسانوی ادب، مشمولہ غلام عباس فکر و فن، ص۵۸

۹۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ص۸۵۳

۱۰۔ شبیر کاظمی، اردو کے 13 بہترین افسانے، فیض الاسلام، راولپنڈی، ص۲۸

۱۱۔ غلام عباس کے بے مثال افسانے، ص۱۰۳

۱۲۔ ایضاً، ص۳۰۴